خدا غیب نہیں ہے۔
ہم خدا سے غیب ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 19 رمئی 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۳﴾ (الحشر: 23)

پھر فرمایا:۔

اس آیت سے متعلق گزشتہ جمعہ میں میں نے کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالی تھی یعنی ان مضامین پر ان آیات کی برکت سے روشنی ڈالی تھی جو عموماً نظر سے اوجھل رہتے ہیں اور اس آیت کریمہ نے گویا انہیں غیب سے شاہد میں منتقل کرنے میں مدد دی۔ اس مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے کچھ اور اہم امور آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ سب سے پہلے یہ جو آواز بیٹھی ہوئی ہے اس سلسلے میں معذرت خواہ ہوں۔ یہ جو رات گزری ہے اس سے پہلی رات کچھ بے احتیاطی، شاید کوئی کھٹا پھل چکھا گیا ہے اور بعض ایسے ہیں کھٹے پھل جن سے میرا گلا بہت جلد متاثر ہوتا ہے اس وقت تو پتا نہیں چلا لیکن صبح نماز پہ آیا ہوں تو آواز ہی نہیں نکل رہی تھی، بالکل گلا بیٹھا ہوا تھا تو مجھے فکر تھی جمعہ کی اور اس سے پہلے میرے پروگرام تھے ٹیلی ویژن کے اوپر بھی عربوں کے ساتھ مجالس، دوسری مجالس۔ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ذرا بیٹھی ہوئی آواز میں لیکن مطالب کی ادائیگی میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ میں یہ بیان اس لیے

خصوصیت سے کر رہا ہوں کہ آواز پر اثر تو ہے مگر طبیعت پر کوئی بداثر نہیں ہے، نہ جسم میں کوئی دُکھن ہے، نہ بخار ہے، نہ کمزوری ہے اور گلا بھی اور چھاتی بھی سکون میں ہیں اس لئے بعض دوست جو خطبہ سن کے سوچ رہے ہوں گے کہ فوری طور پر فیکس دیں، طبیعت پوچھیں ان کو اس تکلیف کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کے فضل سے میں مطمئن ہوں اور اگر انہوں نے فیکسز دیں تو پھر تکلیف ہوگی اس لئے یہ تکلیف نہ فرمائیں۔ اب جہاں تک اس مضمون کا تعلق ہے یہ بھی آپ کے لئے غیب کی بات تھی جسے حاضر کرنا تھا۔

اب میں خدا تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے سے متعلق بعض اور امور آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے گزشتہ خطبے میں بیان کیا تھا کہ جو کچھ پردۂ غیب میں ہے وہ بہت زیادہ ہے، جو حاضر میں ہمیں دکھائی دیتا ہے اس کی اس سے کوئی نسبت نہیں اور پردۂ غیب میں صفاتِ باری تعالیٰ بھی ہیں اور صفاتِ باری تعالیٰ رفتہ رفتہ منظر عام پر ابھرتی ہیں لیکن حسب ضرورت۔ دو طرح سے ان میں ایک ارتقائی سفر دکھائی دیتا ہے۔ ایک وہ صفات جو آدمؑ کے لئے ضروری تھیں آدمؑ کے سامنے بیان کی گئیں جن کو موسیٰؑ کے وقت کی حاجت تھی وہ اس کے سامنے کھولی گئیں اور وہ صفات جن کا بنی نوع انسان سے اجتماعی طور پر تعلق تھا اور انسان کی ضرورت کی آخری حدوں تک تعلق رکھتی تھیں وہ تمام صفات حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ پر ظاہر فرما دی گئیں اور یوں گویا وہ خدا جو غیب میں تھا منظر عام پر ابھر آیا اور شاہد میں آ گیا لیکن بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ یہ کہنا غلط ہے کہ خدا تعالیٰ کی کچھ اور صفات نہیں ہیں۔ خدا تعالیٰ ہمارے زاویۂ نگاہ سے ہم پر ظاہر ہوتا ہے۔ اگر آدم یہ سمجھتا کہ خدا کی یہی صفات ہیں تو فرشتے اس سے پہلے بھی یہی حق رکھتے تھے کہ اپنے تعلق میں خدا کی صفات کو جو سمجھ بیٹھے تھے انہی پر اکتفا کر جاتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جو فرشتوں سے جو سلوک فرمایا ارتقاء نبوت کے ساتھ آدم کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا اور جو صفات اس پر ظاہر کی گئیں ان سے بہت زیادہ بعد کے انبیاءؑ کو ملنی شروع ہوئیں یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ پر یہ سلسلہ اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا۔ لیکن اس کے باوجود یہ صفات پھر نظر سے غائب ہیں یعنی ابھری ہیں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ پر اور آپؐ کی ذات کے ساتھ ان کا ایک نہ ٹوٹنے والا دائمی رشتہ بن گیا اور ہمیشہ غیب کا خدا آپؐ کے لئے حاضر کا خدا بنا رہا اور ہمیشہ غیب کا خدا آپ کے لئے شاہد اور شہید بنا رہا پس جس پر خدا سب سے زیادہ جلوۂ شہادت ظاہر

فرمائے یعنی اپنے غیب کو شہادہ میں نکال کر اس سے تعلق باندھے وہ سب سے بڑا شہید کہلانے کا مستحق ہے۔ پس یہ فرق ہمیں اس بات سے بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو تمام گزشتہ انبیاء پر شہید فرمایا گیا۔ اس لئے یہ جو مضمون ہے یہ بہت گہرا اور اندر اندر بڑے گہرے اور لمبے وسیع رابطے رکھنے والا مضمون ہے۔

آدمؑ سے لے کر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ تک خدا کا غیب سے شاہد میں نکلتے چلے آنا جاری رہا اور وہ مضامین بیان فرما دیئے گئے، آپؐ پر کھول دیئے گئے کس طرح خدا ظاہر ہوگا، ہوتا ہے لیکن یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اگر یہ سلسلہ بند ہو تو ویسی ہی بات بن جائے گی جیسے ختم نبوت کا غلط معنی سمجھا جاتا ہے اللہ بھی ختم اور نبوت بھی ختم۔ جو مضامین روشن ہو جائیں ان کے معانی جاری رہتے ہیں۔ جو ایک سمت میں حرکت ہے وہ نہیں رکتی۔ اس تعلق میں یہ بات خاص طور پر دھیان میں لانے کی ضرورت ہے کہ اللہ نے قرآن کریم میں جو اپنی صفات بیان فرمائیں ان میں ایک یہ بھی تھا کہ ہم وقت کے اوپر خزانے اتارتے ہیں جب ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ تعارف تو مکمل ہوا لیکن یہ کہنا کہ خدا نے وہ خزانے ہمیشہ کے لئے اتار دیئے اور مزید خزانے باقی نہیں رہے یہ غلط ہے اور یہ وہ مضمون ہے جس کا وقت کے ساتھ تعلق ہے جو میں بیان کر رہا ہوں۔

خدا تعالیٰ وقت کا خالق ہے، وقت کا پابند نہیں ہے۔ وقت خدا کو اپنا محکوم نہیں بنا سکتا کیونکہ خدا خالق ہے اور وہ مخلوق ہے۔ اس لئے جہاں تک زمانے کے جاری رہنے کا تعلق ہے یہ خدا تعالیٰ کی صفات کی جلوہ گری ہے نہ کہ ان صفات میں تبدیلی کا مظہر۔ اس کی جلوہ گری کے نتیجے میں زمانہ تبدیل ہوتا ہے اور زمانے میں تبدیلی ہمیں وقت کا احساس دلاتی ہے اور زمانے کی تبدیلی کے حوالے سے ہم کہتے ہیں خدا اب یوں جلوہ گر ہوا اور پہلے یوں جلوہ گر ہوا تھا اور آئندہ یوں جلوہ گر ہوگا مگر عالم موجودات میں سب کچھ خدا کی نظر میں موجود ہے اور اس کی ذات پر زمانے کی تبدیلی نہیں ہو رہی۔ پس حوالہ جب آدمؑ کا دیا جاتا ہے یا حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا دیا جاتا ہے یا آئندہ زمانوں کا، تو دراصل خدا وقت کا پابند نہیں بلکہ ایک عالم بسیط میں وہ پھیلا ہوا عالم ہے جو وقت سے بالا ہے اس میں اپنی جلوہ گری دکھاتا ہے اور جب دیکھنے والے ایک زاویے سے دیکھتے ہیں تو دوسرے زاویے سے دیکھنے والوں سے اپنے آپ کو بہتر حالت میں پاتے ہیں مگر چیز نہیں بدلتی۔ منظر وہی ہے،

صفات باری تعالیٰ اسی طرح ہیں۔

یہ وہ خدا تعالیٰ کی صفات کا ظہور ہے جو ہمیں یہ نہیں بتا تا کہ اب صفات کا سفر ختم ہو چکا ہے۔ یہ بتا تا ہے کہ صفات کا سفر شروع ہو چکا ہے۔ وہ صفات باری تعالیٰ جو آنحضرت ﷺ پر ظاہر فرمائی گئیں وہ نئی نئی کھڑکیاں ہیں جو کھولی گئی ہیں یا نئے دروازے ہیں جو کھول دیئے گئے ہیں ان سے پرے جو مناظر دکھائی دیتے ہیں وہ لامتناہی ہیں اور کسی وقت بھی ختم نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان میں سفر جاری رہنا چاہئے۔ ان کھڑکیوں میں سے یہ جو کھولی گئی کہ زمین اپنے خزانے اگلے گی اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ یہ جو عٰلِمُ الْغَيْبِ نے بات بیان فرمائی اس کے شواہد ہم کتنے دیکھ چکے ہیں اور دیکھ رہے ہیں اور دیکھتے چلے جائیں گے اور یہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا یہاں تک کہ خدا کے نزدیک اس کائنات کی اجل مسمیٰ آ جائے، یہ جاری وساری سلسلہ ہے۔

پس وقت کے حوالے سے ماضی کا خدا اور حال کا خدا اور مستقبل کا خدا وہی رہتا ہے جو تھا، جو ہے، جو ہوگا لیکن دیکھنے والوں کے نزدیک اس کی ذات میں بظاہر وسعت ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ تو اس پہلو سے اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ (الذاریات: 48) ہم وسیع نہیں ہو رہے اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ہم وسعتیں عطا کر رہے ہیں اور جن کو وسعتیں عطا ہوتی ہیں ان کو یوں لگتا ہے جیسے اللہ وسیع ہو رہا ہے۔ یہ ایک نسبتی چیز ہے اور اس کے نتیجے میں یہی محسوس ہوتا ہے۔ اب ہم اپنے علم میں بڑھ رہے ہیں خدا تعالیٰ کے تعلق میں اور خدا کی کائنات کے تعلق میں، خدا تعالیٰ تو نہیں بڑھ رہا۔ خدا تعالیٰ تو ابھی بھی اکثر غائب میں ہے، اس کی چھوٹی سی جلوہ گری ہمارے سامنے آئی ہے لیکن ہم ماضی کے انسان کے حوالے سے بڑھ رہے ہیں خدا کے حوالے سے نہیں بڑھ رہے اور خدا کسی حوالے سے بھی نہیں بڑھ رہا، وہ ہمیشہ سے جیسا تھا ویسا ہے، ویسا رہے گا۔

پس اس تعلق میں جو تحقیق کا سفر ہے جو پردۂ غیب سے پردۂ شہود میں ابھرنے کا سفر ہے وہ ہمیشہ جاری رہنا چاہئے اور اس یقین کے ساتھ جاری رہنا چاہئے کہ کبھی ختم ہو نہیں سکتا۔ جہاں خاتمیت کا غلط معنی دماغ میں آیا وہیں فیض کے دریا بند ہو گئے۔ خاتمیت کا حقیقی معنی فیض کا لامتناہی طور پر جاری رہنا ہے اور خاتمیت کا حقیقی معنی یہ ہے کہ اس چوکھٹ سے پرے کسی اور فیض کی ضرورت نہیں اور یہی مضمون خدا تعالیٰ کے تعلق میں آنحضرت ﷺ کے حوالے سے سمجھ آتا ہے۔ خاتم وہ ذات

ہے جس پر خدا نے اپنی ان صفات کو ختم فرما دیا جو پہلے کسی نبی پر ختم نہیں کی گئی تھیں لیکن نہ صفات باری تعالیٰ ختم ہوئیں نہ ان کا فیض ختم ہوا۔اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے جو خدا سے سیکھا اس کا فیض ہمیشہ کیلئے جاری و ساری ہے۔ یہ حقیقی معنی ہے اس کے علاوہ جس نے جو کہنا ہے کہے، جو سوچیں سوچے سب جہالت کی باتیں ہیں۔عرفان کی بات وہی ہے جو میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی صفات لامتناہی اور انسان کے تعلق میں اس کی آخری حد آنحضرت ﷺ پر روشن فرما دی گئی اور پھر آخری حد کے باوجود وہ سفر جاری و ساری ہے۔ اس کے باوجود خدا غیب میں چلا گیا ہے اور وقتاً فوقتاً غیب میں جاتا رہتا ہے اور زمانہ اس نسبت سے کبھی خدا کو تھوڑا سا شاہد دیکھتا ہے کبھی پھر غائب ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ وہ صفت ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ صفات جو رسول اللہ ﷺ پر جلوہ گر ہوئی تھیں اس پہلو سے بھی ابھی ان میں سفر باقی ہے اور بہت بڑا سفر باقی ہے کہ ان کی اکثریت کی کنہہ کو انسان نہیں سمجھ سکا اور اکثریت نے خدا کی ذات میں سفر نہیں شروع کیا۔اب غیب ایک مضمون ہے جو خدا تعالیٰ کی صفت نہیں ہے۔لیکن شہادہ ایک ایسا مضمون ہے جس میں حدیث میں شہید کو خدا تعالیٰ کے ناموں میں داخل فرما لیا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے آپ کو غائب کہیں نہیں کہا لیکن شہید فرمایا ہے۔

اس پر جب میں نے غور کیا کہ کیوں بظاہر ایک ہی آیت کے دو جز ہیں ان میں سے ایک کو چھوڑ دیا گیا ہے اور ایک کو آنحضرت ﷺ نے اسماء الٰہی میں داخل فرمایا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں تک خدا کی غیبوبیت کا تعلق ہے بحیثیت غیب کے اس کو نظر پہنچ ہی نہیں سکتی۔ جب تک وہ شہادت میں نہ آئے ہم اسے دیکھ ہی نہیں سکتے اور قرآن کریم فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ (الانعام:104) کہ بصائر اس تک نہیں پہنچ سکتیں ہاں وہ خود منصۂ شہود پر ابھر کر بصائر تک پہنچتا ہے اور آنحضرت ﷺ پر چونکہ خدا سب سے زیادہ روشن ہوا تھا اس لئے آپ نے اس باریک فرق کو پیش نظر رکھا ہے۔ ورنہ ایک عام انسان جو اپنے نفس سے تفسیر کرتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ عٰلِمُ الْغَيْبِ بھی ہے **عالم الشہادہ** بھی ہے۔اگر وہ شہید ہے تو پھر غائب بھی ہے لیکن جہاں تک مخلوقات کا تعلق ہے وہ غائب نہیں ہے۔ یہ مضمون ہے کیونکہ اگر وہ غائب ہو جائے تو پھر مخلوق سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے اس لئے وہ شہید ہے اور جن معنوں میں وہ غائب ہے ان معنوں میں

ہم اس کو پہنچ ہی نہیں سکتے جب تک وہ شہید نہ بن جائے ، جب تک وہ شاہد ہو کر نہ ابھرے۔ پس اس لحاظ سے خدا تعالیٰ کی شہادت کا جلوہ ہی ہے جس کا بنی نوع انسان کے مصالح سے تعلق ہے اور جس تک بنی نوع انسان کی کچھ پہنچ ہے۔ آگے کی سب باتیں وہ ہیں جن کو جب خدا جس مخلوق پر چاہے گا اسے ظاہر فرمائے گا۔ لیکن جو ظاہر فرما چکا ہے اس سے بھی ہم آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں۔ یہ وہ مشکل بات ہے جس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ جب خدا پردۂ غیب میں جاتا ہے تو پردۂ غیب میں رہتے ہوئے آپ سے صرف نظر نہیں فرماتا۔ لیکن آپ جب پردۂ غیب میں جاتے ہیں تو خدا سے صرف نظر کر جاتے ہیں۔ یہ فرق ہے بندے کے غیب میں جانے اور خدا کے غیب میں جانے کا۔

اللہ تعالیٰ غیب سے آپ کی حفاظت فرما رہا ہے۔ غیب سے آپ پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو دکھائی نہیں دے رہا اور پھر بھی وہ آپ کے قریب قریب ہے، کبھی بھی آپ سے دور نہیں ہٹا۔ لیکن جب آپ خدا کے مقابل پر غیب میں چلے جاتے ہیں تو خدا سے دور ہٹ جاتے ہیں اور یہی وہ بات ہے جو گناہ پر انسان کو آمادہ کرتی ہے۔ اس پہلو سے اس غیب اور شہادہ کے مضمون کو انسانی اور خدائی تعلق میں خوب اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کے تعلق میں یاد رکھیں کہ اس کا غیب میں جانا ایک پہلو سے عظیم رحمت ہے کیونکہ ایک ایسی ذات جو اپنے رعب میں درجۂ کمال کے تصور سے بھی زیادہ بلند تر نظر آئے۔ ہمارا جو درجۂ کمال کا تصور ہے وہ ناقص ہے اس لئے میں نے کہا کہ درجۂ کمال کے تصور سے بھی بلند تر دکھائی دے رہی ہو۔ ایسی ذات اگر ہر وقت شاہد رہے ان معنوں میں کہ ہم بھی اس کو محسوس کر رہے ہوں کہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے تو اسی صورت میں صرف وہ نعمت بن سکتی ہے اگر ہم بعینہٖ اس سے ہم مزاج ہو چکے ہوں۔ اگر ہم مزاج نہ ہوں تو بہت بڑی سزا ہے اور ہر وقت کی ایک مصیبت ہے۔ ایک آدمی جس کا دل شرارت کی طرف مائل ہے اگر ہر وقت استاد ڈنڈا لے کے اس کے سامنے کھڑا ہے ایسے طالب علم کے سامنے تو اس کے لئے تو وہ جہنم بن جائے گی اس لئے خدا تعالیٰ کا بندے سے غائب ہو جانا اس پر بہت بڑا احسان ہے لیکن ایسا غائب نہیں ہوتا کہ اس کے حالات سے غافل ہو جائے۔ اس پر نظر جو رکھتا ہے اور اس کی غیبوبیت ہی ہے جو دراصل اپنی جلوہ گری میں ہمیں اختیار بخشتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف:30) تو یہ اس کی غیبوبیت کی وجہ سے ہے۔ اگر حاضر ہوتو

مــن شــاء کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ پھر ایک تقدیر مبرم ہے جو ہمیشہ جاری وساری رہے مجال نہیں انسان کی کہ اپنی چاہت سے کچھ کر سکے۔

پس وہ وجود، وہ کامل وجود یعنی حضرت محمد مصطفی ﷺ جب خدا کے سامنے شہادہ میں آ گئے تو پھر ہمیشہ رہے۔ یہ آپؐ کی جنت تھی اس لئے کہ آپؐ خدا کی صفات سے ہم آہنگ ہو چکے تھے۔ اب اگر کسی کی صفات سے انسان ہم آہنگ ہو جائے تو اس کی غیبوبیت لعنت بن جاتی ہے اور اس کا حاضر ہونا نعمت ہو جاتا ہے۔ اس پہلو سے آپ دیکھیں کہ ضروری نہیں کہ وہ عشق ہو جس کو شعراء عشق کہتے ہیں ہم مزاج لوگوں سے ایک طبعی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور ایک ایسا عشق ہے جس کی معین تعریف کرنا مشکل کام ہے۔ لیکن یہ جذبہ بڑھ کر ایک غیر معمولی شدت کے جذب کے جذبے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جذب یعنی کھینچنے کی طاقت رکھتا ہے اور ایسے آدمی کے ساتھ آپ رہیں جس کے ساتھ ہم آہنگی ہو تو طبیعت کو سکون ملتا ہے اور ہم آہنگی نہ ہو تو طبیعت میں انتشار پیدا ہوتا ہے اور بعض دفعہ لوگ کہہ دیتے ہیں جی ہمیں تو اس سے الرجی ہو گئی ہے۔ وہ سامنے آئے تو گھبراہٹ شروع ہو جاتی ہے اور اس میں خونی رشتے کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے نہ خونی رشتے کی محبت کا اس سے تعلق ہے نہ شاعرانہ عشق سے اس کا تعلق ہے۔ یہ ایک گہرا فطرت کا معاملہ ہے اور اس فطری تعلق میں خدا تعالیٰ کے غیب اور حاضر ہونے کے مضمون کو آپ سمجھیں تو پتا چلے گا کہ بھاری اکثریت انسان کی ایسی ہے کہ اگر ان کے لئے خدا ہمیشہ شاہد رہتا تو ان کا اختیار بھی ہاتھ سے نکل جاتا کیونکہ ان کے اختیارات میں بھاری امکانات اس بات کے تھے کہ وہ ذرا اپنی خواہش کے نرمی کے اختیار کو استعمال کریں۔ پھر وہ بے اختیار ہو گئے۔ جب ہر وقت ایک کامل وجود ایک بارعب وجود سر پہ کھڑا ہو، اختیار کہاں رہا۔ تو یہ اندھیرے ہیں غیب کے جن میں ہم ڈوبتے ہیں اور خدا غائب ہو جاتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں غائب ہو گیا اور ہے موجود۔ کیونکہ خدا ہر غیب کا واقف ہے اس لئے ایسا ہی ہے جیسے بلی کے ڈر سے کبوتر آنکھیں بند کر لے۔ وہ غائب ہو جاتا ہے لیکن بلی کی نظر میں رہتا ہے۔ انسان جب گناہوں پر آگے بڑھتا ہے تو یہ غیبوبیت تاریکی اختیار کر جاتی ہے۔ شروع میں یہ غیب ہے یعنی آنکھیں بند کی ہوئی ہیں آنکھیں کھولے تو دیکھ بھی سکتا ہے، روشنی نہیں ہٹتی لیکن جب انحراف کرتے ہوئے، پیچھے ہٹتے ہوئے وہ اندھیری کھوہوں میں ڈوب جاتا ہے، ایسے کونوں میں غائب ہو جاتا ہے جہاں روشنی پہنچتی نہیں پھر

اس پر اندھیرے مسلط ہو جاتے ہیں۔ پھر خدا اس سے ایسا غائب ہو جاتا ہے کہ خدا سے تعلق کے اس کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ خدا پھر بھی اسے دیکھ رہا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ پہلے یہ بیان فرماتا ہے کہ یہ احساس تمہیں ہونا چاہئے کہ وہ تمہارے لئے غیب تو ہے لیکن موجود بھی ہے اور تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ احساس ہے جو گناہ سے نجات بخش سکتا ہے۔ اس احساس کے بغیر گناہ سے نجات کا تصور محض ایک بچگانہ کہانی ہے۔ یعنی مسیح ہماری خاطر قربان ہو گئے اور گناہ بخشے گئے، نہایت ہی جاہلانہ کہانی ہے۔

قرآن کا مضمون جو حقیقت میں ایک عارفانہ مضمون ہے جس کا انسانی فطرت سے اور خدا کی صفات سے گہرا تعلق ہے۔ پس اس پہلو سے یاد رکھیں کہ گناہ سے بچنے کا جو اصول قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے وہ ہے يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ (الانبیا:50) باوجود اس کے کہ اللہ نے ان کی سہولت کی خاطر اپنے جلوؤں کو مدہم کر دیا ہے اور وہ ایک قسم کے سائے میں بھی زندگی بسر کرتے ہیں لیکن یہ سائے ان کے اندھیروں میں نہیں بدلے کیونکہ سائے اگر اندھیروں میں بدل جائیں تو پھر ٹھوکر ہی ٹھوکر ہے۔ قدم قدم پر لغزش ہے پھر ہلاکت کے گڑھے میں بھی انسان گر سکتا ہے لیکن سائے اگر سائے رہیں وہ طمانیت تو عطا کرتے ہیں، آنکھوں کا نور نہیں لے جاتے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ سائے میں رہتے ہیں غیب کے لیکن يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ وہ ہمیں دکھائی نہیں دے رہا مگر ہے کہیں۔

اور امر واقعہ یہ ہے کہ غیب ہوتے ہوئے دیکھنا یہ اس لئے بھی بڑا ضروری ہے کہ کسی چیز کا اندرونہ ظاہر ہو جائے۔ آپ لوگوں میں بعض نے شاید وہ نیچر کی فلمیں دیکھی ہوں۔ نیچر کی فلموں میں جو ماہرین ہیں سب سے اچھی فلم بنانے والے وہ ہیں جو اس طرح فلم بناتے ہیں کہ جانور کو یہ نہ پتا ہو کہ ہمیں کوئی دیکھ رہا ہے۔ جب جانور کو یہ یقین ہو جائے کہ ہمیں کوئی نہیں دیکھ رہا پھر اندر سے اس کی ساری صفات کھل کے باہر نکل آتی ہیں اور جب تک صفات باہر نہ نکل آئیں اس کے خلاف شہادہ نہیں ہو سکتی۔ پس باوجود اس کے کہ اللہ غیب کا علم رکھنے والا ہے، بندے کے اندرونے کے خلاف اس کے اندرونے کی شہادت نہیں دے گا اس لئے فرمایا تمہارے جلدیں بولیں گی یعنی تمہارے گناہوں کو کھل کر باہر آنے کا موقع ملے گا اور وہ تمہارے دکھائی دینے والے اعضاء میں ظاہر ہو جائیں گے۔ یہ

تبھی ممکن ہے اگر انسان خدا کو غیب سمجھ رہا ہو اور وہ موجود ہو۔ تو پھر جو غیب ہے موجود ہے وہ سب سے زیادہ رازوں کا واقف بن جاتا ہے اور اگر خطرہ بھی ہو کہ شاید کوئی دیکھنے والی آنکھ ہو تو انسان محتاط ہو جاتا ہے، جانور محتاط ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ جتنا بھی یہ جاسوسی کا نظام ہے اس میں آلے ایسی جگہوں پر نصب کئے جاتے ہیں اور اس طریق پر نصب کئے جاتے ہیں کہ جس کی جاسوسی کی جارہی ہے اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا کہ میں دیکھا جارہا ہوں اور میری تصویریں اتاری جارہی ہیں اور یہ نظام ہے جو اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے تمہارا کر دیا کسی کونے میں، کسی اندھیرے میں ڈوب جاؤ، ہر جگہ تمہیں خدا دیکھ رہا ہے اور تمہارا ریکارڈ مکمل کیا جارہا ہے اور ایسے فرشتے مقرر ہیں جو ان چیزوں کو ایک کتاب میں ڈھالتے چلے جارہے ہیں۔ یہ وہ Ultimate کمپیوٹر کا تصور ہے جس سے آگے کسی کمپیوٹر کا تصور ہو نہیں سکتا۔ کمپیوٹر میں دو خوبیاں ہونی چاہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ متعلقہ مضمون کے ہر پہلو کو ہر لحاظ سے Cover کرے، اس کو ڈھانپ لے، اس کا دائرہ لے لے اور دوسری اس میں خوبی یہ ہونی چاہئے کہ وہ بہت تیزی کے ساتھ، بوقت ضرورت مطلوبہ اعداد وشمار کو سامنے لے آئے۔ اب یہ دو باتیں ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر ملتا ہے۔

ابھی چند دن ہوئے ہمارے ریسرچ گروپ کی ایک خاتون نے مجھ سے سوال کیا کہ وہ جو آپ نے ہمارے سامنے بعض باتیں بیان کی ہیں اور کتاب ایک تھی جوان کی نظر سے بھی گزری تھی اس سے پتا چلتا ہے کہ آئندہ ہر زمانے کی ایجادات کا قرآن کریم میں ذکر موجود ہے۔ حیرت میں انسان ڈوب جاتا ہے۔ کوئی ایجاد سوچی نہیں جاسکتی جس کی بنیاد قرآن کریم میں دکھائی نہ دے، کیا کمپیوٹر کا بھی ذکر ہے۔ تو میں نے کہا یہ تو ہو نہیں سکتا کہ نہ ہو لیکن اس کا جواب بعد میں دوں گا تو اب وہ اگر سن رہی ہوں یہ خطبہ تو میں ان کو بتا رہا ہوں کہ کمپیوٹر میں دو صفات ہونی چاہئیں۔ ایک تو یہ کہ متعلقہ مضمون کی تمام تر معلومات اس میں مہیا ہوں اور ایسے طریق پر مہیا ہوں کہ بلا تاخیر فوراً وہ نظر کے سامنے آجائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کمپیوٹر کا ذکر قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے۔ ایک موقع پر فرماتا ہے۔ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا (الکہف:50) یہ عجیب کتاب ہے، کتاب سے مراد کمپیوٹر ہے یہاں یعنی الٰہی کمپیوٹر جو ظاہری طور پر نہ وہ

کتاب ہے نہ وہ مادی چیز ہے۔ پہلے زمانوں میں جس کو ہم رجسٹر کہا کرتے تھے آج کل کی اصطلاح میں اسے کمپیوٹر کہہ دیتے ہیں۔ فرمایا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا یہ عجیب قسم کی چیز خدا نے ایجاد کرلی ہے کہ نہ ادنیٰ چھوڑتی ہے، نہ بڑا چھوڑتی ہے، ہر چیز کو سمیٹے ہوئے ہے۔ایک ذرہ بھی اس کے احاطہ تقدیر سے باہر نہیں اور جہاں تک اس کی سرعت کا تعلق ہے، فرماتا ہے وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (البقرہ:103) کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر حساب میں سریع ہے ہی کوئی نہیں۔اب قرآن کریم میں سَرِيْعُ الْحِسَابِ کا مضمون ملتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ دوسری کتابوں میں نہیں ملتا۔ بہت سے ایسے پہلو ہیں قرآن کریم کے جن کا حسن موازنے کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے ورنہ پتا ہی نہیں چلتا۔ نہ بائبل میں نہ کسی اور کتاب میں خدا کے حساب دان ہونے کا اور سب سے تیز تر حساب دان ہونے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔تو سَرِيْعُ الْحِسَابِ اس کمپیوٹر کی صفت ہے جو خدا کی تقدیر نے بنا رکھا ہے اور کمپیوٹر کو پڑھنے والا ایک چاہئے۔ کمپیوٹر میں اگر اس تیز رفتاری کے ساتھ اعداد و شمار مہیا کرنے کی صلاحیت موجود ہو جس تیز رفتاری سے پڑھنے والا چاہتا ہے تو پھر وہ صحیح اور مقتضائے حال کے مطابق ہے یعنی اس کے بغیر وہ ناقص ہو جائے گا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے سریع الحساب کے ساتھ کس کتاب کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ کسی چیز کو چھوڑتی نہیں ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو جب کسی عدد کی ضرورت ہو بندے کو دکھانے کے لئے یا کسی اور کو بتانے کے لئے کہ دیکھ لو یہی باتیں ایسی ہوئی تھیں۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ اس کتاب سے جس میں سب کچھ ہے بلا تاخیر سب کچھ نکال لیتا ہے اور قیامت کے دن جب کوئی بندہ کہے گا جی میں نے تو نہیں ایسا کیا۔ اللہ کہے گا یہ دیکھ لو کوئی تاخیر ہی نہیں اس میں۔ پس **عالم الشھادہ** کا بھی ایک معنی اس سے ہماری سمجھ میں آگیا۔

شھادہ کا ایک مطلب ہے گواہی دینا۔ تو گواہی کی کائنات کا بھی وہی مالک اور عالم ہے اور گواہی دینا بھی اسی کو آتا ہے اور گواہی مہیا کرنا بھی اسی کو آتا ہے۔ پس یہ وہ خدا ہے جس کا تصور اگر واضح ہوتا چلا جائے انسان پر اور قرآن کے حوالے کے بغیر یہ تصور از خود واضح ہو ہی نہیں سکتا۔ آنحضرت ﷺ کے ارشادات پر غور کئے بغیر اس تصور تک رسائی ناممکن ہے۔ مگر اگر یہ ہو تو پھر ان میں ڈوبنے کے بعد یہ مضامین ابھرتے ہیں اور پھر انسان کو سمجھ آتی ہے کہ گناہ سے بچنے کا اصل طریق کیا

ہے۔ یہ احساس زندہ رہے اور یہ احساس انسان سے غائب نہ ہو کہ خدا غائب ہوتے ہوئے ہمیں وہاں سے دیکھ رہا ہے جہاں سے ہم اسے نہیں دیکھ رہے یہ وہ لوگ ہیں جو شیطان سے محفوظ رہتے ہیں اور جب وہ خدا سے غائب ہوتے ہیں تو ان کا پھر کیا تناظر ہے وہ کس شکل میں ابھرتے ہیں۔ ان کے متعلق بھی قرآن کریم ذکر فرماتا ہے۔ کہتا ہے شیطان ان کو وہاں وہاں سے دیکھ رہا ہے جہاں سے وہ شیطان کو نہیں دیکھ رہے اور شیطان کے حملوں سے محفوظ نہیں۔ خدا کے تعلق میں یہ مضمون بنے گا کہ خدا کی خیر سے محروم رہ گئے کیونکہ خدا کا دیکھنا اور اس کا قریب ہونا خدا کی خیر کو قریب تر کرنے کے مترادف تھا۔ جو اس سے غائب ہو گیا وہ خیر سے، ہر اچھی چیز سے غائب ہو گیا اور شیطان اس کو دیکھ رہا ہے، وہ نہیں دیکھ رہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر پہلو سے وہ شر کے قریب آ گیا ہے کیونکہ شیطان کا دیکھنا شر کی نیت سے ہے اور اس کا شیطان کو نہ دیکھنا بے دفاع ہونے کے معنے رکھتا ہے۔ ایک حملہ آور اگر آپ کو دیکھ رہا ہے اور آپ نہیں دیکھ رہے تو پھر تو آپ ہر وقت خطرے کی حالت میں ہیں۔ تو یہ ہے قرآن کریم کا نظام جو خدا تعالیٰ کی صفات کو کس طرح ادل بدل کر مختلف پہلوؤں سے پھیر پھیر کر بیان کرتا ہے اور انسان حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ چھوٹی سی کتاب دکھائی دیتی ہے مگر ہر چیز کے ہر پہلو کو بیان فرما رہی ہے۔

تو عٰلِمُ الْغَيْبِ خدا سے یہ تعلق باندھیں کہ اس کا غیب ہونا آپ کے لئے رحمت کا سایہ تو بنا رہے لیکن تاریکیاں پیدا نہ کرے اور تاریکیاں تب پیدا ہوں گی اگر آپ اس سے دور ہٹ کر خود غیبوبیت اختیار کریں اور اگر آپ خدا سے غائب ہونا چاہیں گے تو خدا کی پکڑ کی نظر سے اور پکڑ کی دسترس سے تو آپ غائب نہیں ہو سکتے مگر شیطان کی پکڑ کی دسترس میں داخل ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور اسی کا نام ظلمات پر ظلمات ہے۔ آپ اندھیروں پر اندھیروں میں ڈوب جاتے ہیں۔ پس یہ کوشش کرنا کہ ہم خدا تعالیٰ کی نظر کے احساس میں رہیں اور يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ کے تحت آئیں یہ اس زمانے کے سارے مسائل کا علاج ہے۔ کیونکہ انسان جو دن بدن گناہوں میں ڈوب رہا ہے وہ خدا سے غائب ہونے کے نتیجے میں ڈوب رہا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ عٰلِمُ الْغَيْبِ ہے وہ جہاں مرضی غائب ہو جائے پھر بھی ہمیشہ خدا کی نظر میں رہے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اس مضمون پر بعض اور آیات کے تعلق میں ایک مسلسل

روشنی ڈال رہے ہیں۔اسی میں سے میں نے کچھ حصہ پڑھ کر سنایا تھا اور پھر ان امور کی طرف توجہ مبذول ہوئی۔اب یہ سفر کرنے کے بعد میں واپس اس حصے کی طرف آتا ہوں۔فرمایا:

''وہ **عالم الشھادہ** ہے یعنی کوئی چیز اس کی نظر سے پردے میں نہیں ہے۔ یہ جائز نہیں کہ وہ خدا کہلا کر پھر علم اشیاء سے غافل ہو''

''یہ جائز نہیں کہ وہ خدا کہلا کر پھر علم اشیاء سے غافل ہو'' یہ کیا معنی ہیں۔''جائز نہیں'' صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کسی بھلائی میں کمی آجاتی ہے اور خدا کے درجۂ کمال پر حرف آتا ہے اور کوئی شر کا پہلو ظاہر ہوتا ہے۔امر واقعہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہر علم پر ہمیشہ حاضر کی طرح مسلط رہنا اس علم کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ خیر ہے اور اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ اس علم میں کوئی رخنہ نہیں آئے گا۔اگر یہ نہ ہو تو کائنات کا نظام از خود جاری رہ ہی نہیں سکتا۔ یہ بہت بڑی جہالت ہے کہ اتنا بڑا نظام ایک خود طبعی حرکت کی صورت میں رواں دواں ہے اور کوئی تصادم نہیں ہے اور اگر سفر کو ہم دیکھتے ہیں تو Chaos سے تنظیم کی طرف جاری ہے۔

اور جس کو ہم Chaos سمجھتے ہیں وہ بھی ہمیں دکھائی دیتا ہے لاعلمی کے نتیجے میں Chaos مگر Chaos کہیں نہیں ہے۔Chaos کہتے ہیں فساد کو، کسی چیز کے درہم برہم ہونے کو، کسی چیز کے غیر منضبط ہونے کو، کوئی قانون نہ چل رہا ہو، اندھیر نگری ہو، اندھیر نگری اور چوپٹ راجہ والا مضمون اس کو Chaos کہا جاتا ہے۔سائنس دان بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں اس وجہ سے کہ وہ جانتے ہیں کہ Chaos کا تنظیم میں بدلنا کسی بیرونی طاقت کو چاہتا ہے اور ایک منظّم کو چاہتا ہے ورنہ تنظیم از خود Chaos سے پیدا نہیں ہوسکتی۔اب اس ضمن میں بہت بڑے بڑے کمپیوٹرز کے ذریعے وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ Chaos سے اتفاقاً نظم وضبط بھی پیدا ہوسکتا ہے اور وہ مضامین آپ پڑھیں تو پتا لگتا ہے کہ کیسی بچگانہ حرکت ہے، خدا سے دور ہٹنے کی۔اس سے انکار کے لئے پورا زور لگا رہے ہیں لیکن کوئی پیش نہیں جارہی کیونکہ اب سائنس ان مضامین میں داخل ہوچکی ہے جہاں خدا دکھائی دینا چاہئے۔

اور یہ بھی ایک غیب کے سفر کا لطف ہے۔جب آپ غیب سے حاضر کی طرف سفر کرتے ہیں خواہ سفر کسی سمت میں بھی ہو۔خواہ وہ مادی دنیا کی تحقیق کا ہی سفر ہو۔ہر ایسا سفر جہاں آپ غیب سے

حاضر کی تلاش میں آگے بڑھتے ہیں وہ آپ کو خدا کے قریب لے جاتا ہے اور یہی مضمون ہے جو قرآن کریم ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ:116) لوگ سمجھتے ہیں یہاں صرف مشرق و مغرب مراد ہیں، ہرگز نہیں۔ تمام کائنات میں ہر جہت سے جس قسم کا بھی آپ سفر اختیار کریں آگے خدا کو پائیں گے۔ یہ سفر نیکی کا ہی ہونا ضروری نہیں بدی کے سفر میں بھی آگے خدا کو پائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں مثال بیان فرماتا ہے ان لوگوں کو جو مادہ پرست ہیں اور دنیا کی لذات کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ کرتے چلے جائیں پیروی، ان کی آگ بھڑکتی چلی جائے گی، جیسے سمندر کا پانی پیاس نہیں بجھا سکتا ان کی پیاس بجھے گی نہیں بھڑکتی چلی جائے گی اور ایک سراب ہے جس کی طرف وہ سفر کر رہے ہیں اور جہاں وہ سمجھتے ہیں پانی ہے وہاں پہنچتے ہیں تو پانی اور آگے چلا جاتا ہے۔ آخر پر اللہ فرماتا ہے جب یہ سفر ختم ہوگا تو وہاں خدا کو پائیں گے۔ تو اس لئے کوئی یہ کہے کہ جی یہ تو نیکی کے سفر میں خدا ملتا ہے بدی میں کیسے مل گیا۔ دراصل شیطان کی حقیقت اپنی ذاتی کوئی نہیں ہے۔ ہر چیز کا آخر خدا ہے۔ اول و الآخر کا ایک یہ بھی مفہوم ہے۔ جہاں سے آپ نے سفر شروع کیا وہاں خدا ہے وہ سفر جہاں انجام کو پہنچے گا وہاں خدا ہوگا اور شیطان سراب ہے اصل میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کی یہی تعریف فرمائی ہے۔ فرماتا ہے وہ تم سے دھوکے کے وعدے کرتا ہے ان میں کچھ بھی نہیں غرور کے سوا تم سے اور کوئی وعدہ نہیں کرتا اور غرور کہتے ہیں فرضی کہانیوں کو جن میں کوئی حقیقت نہ ہو، ایسے وعدے جو سبز باغ دکھانے والے ہوں جبکہ سبز باغ ہو کوئی نہ۔ اسی لئے شیطان کا نام خدا تعالیٰ نے ''غرور'' رکھا ہے یعنی ایسا دھوکے باز جو دھوکے کے وعدے کرتا ہے اور اصل چیز ہے ہی کچھ نہیں اس کے پاس، اس کے پاس گناہ کی لذت بھی نہیں وہ بھی انسان اللہ کے نظام سے چوری کر کے لیتا ہے۔ تو فرمایا آخر پر جب وہاں پہنچے گا تو خدا ہی دکھائی دے گا خدا کے سوا کچھ بھی نہیں۔

پس ہر حرکت جس سمت میں بھی ہو خدا کے قریب لے جاتی ہے۔ اس دور میں اب سائنس دان داخل ہو چکے ہیں جب ان کو خدا کی قربت سے خوف آنے لگا ہے۔ گھبرانے لگے ہیں کہ ہم تو جس سفر میں خدا کو مدتوں پیچھے چھوڑ آئے تھے آگے پھر وہی۔ اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے وہ بہانے بنا رہے ہیں اور کچھ پیش نہیں جاتی۔ یہ Chaos والا مضمون ہے۔ میں نے پڑھا ہے

یعنی کتاب تو مجھے نہیں پتا لیکن ایک کمپیوٹر سپیشلسٹ کا بہت بڑا ایک آرٹیکل چھپا ہے۔اس نے بڑے کمپیوٹر کے ذریعہ بڑا بھاری حساب دان ہے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ Chaos اتفاقاً، اتفاقی حادثات کے نتیجے میں ایک نظم وضبط میں بھی ظاہر ہوسکتا ہے۔اب وہ جو اعلان موٹے موٹے لگے ہوئے ہیں مضمون کے اوپر بڑے دھوکے دینے والے ہیں، ایک سادہ آدمی، عام آدمی جس کو ان باتوں کا پتا ہی نہیں پڑھے گا تو کہے گا دیکھو جی ثابت ہو گیا کسی خدا کی ضرورت نہیں لیکن وہ مضمون میں خود دراصل اپنے دھوکے کو ننگا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور یہ بات ماننے پر مجبور ہے کہ جتنے بھی Possible مختلف امکانی رستے ہیں، ان میں سے جو رستے واقعۃً سامنے نظر آ رہے ہیں اگر ان کے مطابق کمپیوٹر بنایا جائے تو جتنی دیر Chaos کو نظم وضبط میں یا افراتفری کو نظم وضبط میں تبدیل ہونے کے لئے چاہئے اس کے لئے جو زمانے کا ہمارا تصور ہے اس سے لاکھوں کروڑوں گنا زیادہ وقت چاہئے اور وہ بھی غلط ہے کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ نظم وضبط کا سفر ہمیشہ بے نظمی کی طرف ہوتا ہے اور بے نظمی کا سفر نظم وضبط کی طرف نہیں ہوا کرتا سوائے اس کے کہ کوئی منتظم، بے نظمی کو نظم میں تبدیل فرمادے۔

یہ ایک ایسی شہادت ہے جس سے آنکھیں بند کرنا سب سے بڑی جہالت ہے۔کمپیوٹر کا کیا ہے اس میں جو مرضی Feed کر دو گے ویسی چیزیں نکال لو لیکن اس کے باوجود وہ باتیں نہیں نکل رہیں جو اپنی مرضی کی ڈالتے ہیں پھر بھی نہیں نکلتیں۔اب روزانہ گھر کا معاملہ ہے جو عورت غیر منظّم ذہن رکھتی ہو، افراتفری بے ترتیبی سے چلنے والی ہو اس عورت کا گھر ہمیشہ اکھڑا پکھڑا ہی دکھائی دے گا۔کوئی چیز یہاں پڑی ہے کوئی چیز وہاں پڑی ہے کہیں صوفہ سیٹ کے اوپر کپڑے سوکھنے کے لئے ڈالے ہوئے ہیں، کہیں باہر گندے کپڑے لٹکائے ہوئے ہیں، خیال ہی کوئی نہیں کہ لوگ کیا کہیں گے اور ہر جگہ گھر بھر ڈھونڈنی پڑتی ہے چیز۔خاوند کہتا ہے جی میری ٹائی کہاں گئی، اچھا جی میں ابھی دیکھتی ہوں اور وہ دونوں لگے ہوئے ہیں اور بیوی کو چمچہ چاہئے وہ چمچہ نہیں مل رہا۔ایسی افراتفری لیکن جب وہ ایک دن لگا کر ٹھیک کرتے ہیں تو کچھ دیر کے بعد پھر وہی شروع ہو جاتی ہے۔لیکن کبھی آپ نے یہ نہیں دیکھا ہو گا کہ افراتفری والا گھر آہستہ آہستہ منظّم ہو رہا ہو خود بخود اور چیزیں خود بخود سلیقے سے لگ رہی ہوں یہاں تک کہ انتہائی سلجھی ہوئی خاتون کے گھر کی طرح ایک بدتمیز اور بے وقوف خاتون کا گھر نظم وضبط کے ساتھ ابھر کر ایک دلکش چیز بن کر سامنے آ جائے، ناممکن ہے۔

ہر چیز کے لئے Maintenance کی ضرورت ہے جہاں نظم وضبط کی ضرورت ہے۔ انسان گھر بناتا ہے تو ایک آرکیٹکٹ اس کا ڈیزائن بناتا ہے۔ اس ڈیزائن کے بنانے کے بعد اس کو جس طرح بنایا جاتا ہے اگر اس کو اسی طرح Maintain نہ کیا جائے تو غیر متحرک جامد گھر بھی اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہ سکتا اور جو چیز حرکت کرنے والی ہو اس کی ہر لمحہ حفاظت اور نگرانی کی ضرورت ہے۔ اب موٹر کار چلاتے وقت ایک لمحہ کے لئے آپ کی آنکھ بند ہو جائے، سو جائیں تو حادثہ ہو جائے گا۔ بعض دفعہ خدا کا فضل ہے جو بچالے مگر وہاں پھر خدا Take Over کر لیتا ہے وہ اور بات ہے۔ مگر بغیر کسی باشعور ہستی کے نظم وضبط جتنا متحرک ہوگا اتنا ہی خطرناک ہو جائے گا۔ یہ معاملہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں خدا پر علم کے تعلق میں۔ آپؑ فرماتے ہیں ''وہ خدا کہلا کر پھر علم اشیاء سے غافل ہو'' یہ ہو نہیں سکتا کیونکہ جہاں خدا علم اشیاء سے غافل ہوا وہاں حادثہ، ضرور تصادم ضرور نظم بدنظمی میں تبدیل ہوگا۔ پھر فرماتے ہیں ''وہ اس عالم کے ذرے ذرے پر اپنی نظر رکھتا ہے لیکن انسان نہیں رکھ سکتا'' یہاں انسان کے عٰلِمُ الْغَيْبِ ہونے کی بھی نفی ہے اور عالم الشہادہ ہونے کی بھی نفی ہے۔ انسان تو نظر کے محدود دائرے میں ہی اصل نظر رکھ سکتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جاگتا ہوا انسان، باشعور، خبردار انسان بھی اپنے بعض پہلوؤں سے غافل ہی رہتا ہے بے چارہ اور اس کی چوری ضرور ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی چور ایسا چالاک مل جائے اس کو پتا چلے کہ شیطان کی طرح میں کہاں سے حملہ کروں جس کو یہ نہیں دیکھ رہا تو وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو انسان تو پھر کبھی بھی کچھ بھی نقصان نہ اٹھا سکتا اور جتنا شاطر چور ہو شیطان کی طرح اتنا ہی انسان کی غفلت کے بعض لمحوں سے بھی فائدہ اٹھا جاتا ہے اس لئے وہ غفلت کے لمحے بھی اللہ کی حفاظت میں ہونے چاہئیں۔

یہ وہ پہلو ہے جس کا غیب والے مضمون سے تعلق جوڑ کر آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ گناہ سے نجات محض اس وجہ سے نہیں ہو سکتی کہ آپ خدا کو حاضر سمجھیں اور یہ سمجھیں کہ غیب ہونے کے باوجود وہ نظر رکھ رہا ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ خدا کو حاضر اور اپنے آپ کو ان معنوں میں غیب سمجھیں کہ اپنے حال سے بھی غیب ہیں اور اپنے حال پر نظر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ حوالے دے کر التجا کریں کہ میں تو اپنے نفس سے بھی غافل ہوں اور اپنے نفس کے اندھیروں میں بسا اوقات ایسی جگہیں ہوں گی جہاں

میں ٹھوکر کھا سکوں گا اور ٹھوکر کھا جاؤں گا۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ میں تجھے دیکھ رہا ہوں اور حاضر سمجھ رہا ہوں لیکن ہزار موڑ ایسے آتے ہیں، ہزار پردے ایسے آتے ہیں، ہزار حالتیں انسانی ذہن کی ایسی ہوتی ہیں کہ جہاں وہ لاشعوری طور پر اندھیروں میں ٹھوکریں کھا جاتا ہے۔تو یہ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''ایک لمحہ بھی غائب نہ ہونا'' یہ ایک رحمت ہے دراصل۔تو اس حوالے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ تُو تو ایک لمحہ بھی حقیقت میں میرے حال سے غافل نہیں ہے۔اس لئے جہاں میں غافل ہوں وہاں رحم فرما اور میری غفلت کی حالت میں مجھے ٹھوکر سے بچالے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا نظم وضبط اگر متحرک ہوتو لازم ہے کہ ہر لمحہ اس پر نظر ہو۔

میں نے اب تو کار چلانی دیر سے چھوڑی ہوئی ہے، جب چلایا کرتا تھا اچھی تیز چلاتا تھا اور کئی دفعہ ایسا ہوا، ایک دفعہ نہیں کہ چلاتے چلاتے اونگھ آ گئی اور پھر بچ بچا کے ٹھیک ہو گیا تو یہ ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، بیسیوں دفعہ ایسا ہوا ہے۔مگر اب میں غور کر کے پیچھے دیکھتا ہوں تو مجھے یقین ہے کہ یہ کوئی حادثاتی بات نہیں تھی اتفاقی حادثہ نہیں تھا وہ ٹکر ہو جانی چاہئے تھی لیکن خدا تعالیٰ نے جو ہر حال میں موجود بھی ہے، غائب ہوتے ہوئے وہ جب بچانے کا فیصلہ کرتا ہے تو بچا لیتا ہے۔غفلت کی وہ شکل ظاہر نہیں ہوتی جو لازمی حادثے پر منتج ہو۔غفلت کی بعض حالتیں ایسی ہیں کہ جن میں ضروری نہیں کہ حادثہ ہو جائے۔اب میز کے کنارے پر اگر ایک کار کو حرکت دیں تو اکثر امکان ہے کہ وہ ایک کنارے سے باہر جا پڑے گی لیکن بعض ایسی بھی صورتیں ہیں کہ وہ بیچ میں ساتھ ساتھ چلتی رہے، میز کے اندر کی طرف وہ منہ کر لے، گرے نہیں۔تو یہ جو اتفاقات کہے جاتے ہیں، حادثات کہے جاتے ہیں، ان پر بھی اللہ کی نظر ہے اور ان پر بھی اس کے نظم وضبط کی راج دہانی ہے اور ایک لمحہ بھی ان حادثات سے بھی وہ غافل نہیں ہے۔

پس آخری نسخہ دراصل عٰلِمُ الْغَیْبِ سے اس سارے مضمون کو سمجھنے کے بعد دعا اور التجا کا نسخہ ہے۔ایک اور امر بہت ہی اہم غیب کے تعلق میں یہ ہے کہ جہاں خدا ہر وقت حاضر سمجھا جائے اور اس کے حضور کے نتیجے میں آپ گناہ سے بچتے ہیں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ میرے بندوں سے بھی یہ سلوک کرو اور اگر تم اس کے بندوں سے یہ سلوک کرو گے تو خدا کی حفاظت کا ہاتھ زیادہ مستعدی سے تمہاری حفاظت فرمائے گا۔یہ وہ مضمون ہے جس کو سورہ یوسف کے حوالے سے زیادہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

حضرت یوسفؑ نے جب آپ کو خزانوں کی کنجی دی جارہی تھی یا دی جانی تھی فرمایا کہ نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ (یوسف:53) میں نے گھر کے مالک کی اس کے غائب ہونے کے باوجود خیانت نہیں کی اس وقت تک میں اسے قبول نہیں کروں گا۔ یہ ناشکری نہیں تھی بلکہ یہ بہت ہی گہرا عارفانہ مطالبہ تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں ایک گھر کی حفاظت بھی نہیں کر سکتا، اگر میں ایسا خائن ہوں کہ ایک معمولی گھر کی ملکیت کے معاملے میں بھی خیانت مجھ پر غالب آگئی تو اتنے بڑے وسیع ملک کے خزانوں کی چابیاں مجھے کیوں سونپی جائیں۔ پس میں اس لائق نہیں ٹھہرتا۔ یہ پہلے پتا کرلو کہ میں وہاں دیانت کے تقاضے پورے کر رہا تھا کہ نہیں اور ساتھ ہی آپ کی بریت ہوگئی جس کی بڑی ضرورت تھی۔ اس بریت کے بغیر بعض دفعہ ایسے حالات میں الزام بھی لگ جایا کرتے ہیں اور سورۂ یوسف سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ کے بھائی کے متعلق کہہ نہیں دیا تھا انہوں نے حضرت یوسف کو متہم کرتے ہوئے یہ چونکہ سمجھ بیٹھے تھے کہ واقعتہً چوری کی ہے تو اس الزام کو حضرت یوسفؑ پر بھی تھوپنے کی کوشش کی کہ اس کے بھائی نے بھی ایک دفعہ چوری کی تھی حالانکہ یہ بالکل جھوٹ اور بہتان تھا۔ تو حضرت یوسفؑ اگر خود نعوذ باللہ من ذالک اس خیانت کے طعن سے باہر نہ آتے تو پھر جس شان اور آزادی کے ساتھ اور کامل یقین اور اعتماد کے ساتھ آپ نے اس سات سالہ قحط کے دوران ملک کی عظیم خدمت کی ہے اس کی توفیق نہ مل سکتی تھی۔ کئی لوگ کہہ سکتے تھے دیکھو انہوں نے اپنوں کو یہ دے دیا، فلاں کو یہ کر دیا۔

پس غیب کا مضمون خدا ہی سے نہیں، گناہ کے تعلق میں بندے سے بھی تعلق رکھتا ہے اور چھوٹی سی امانت تھی اس میں خیانت نہیں کی تو خدا کی دین دیکھیں تمام ملک کے خزانوں کی چابی آپ کو پکڑا دی۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیضان کا جاری ہونا اس کے بندوں سے آپ کے سلوک کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جب غیبوبیت کا مضمون سمجھ کر آپ بندوں کی، ان کے غیب میں خیانت نہیں کریں گے تو یاد رکھیں آپ کے اموال میں برکت ملے گی لیکن وہ لوگ جو روزمرہ کی تجارتوں میں جہاں نظر اچٹی کسی کی وہاں خیانت شروع کر دی ان کے اموال میں یا تو برکت نہیں رہے گی وہ ضائع ہو جائیں گے یا ان کے اموال کے خرچ ان کے لئے لعنت پیدا کر دیں گے ان کی اولادیں ہاتھ سے نکل جائیں گی، ان کا دین ہاتھ سے جاتا رہے گا، ان کی عاقبت تباہ ہو جائے گی اس لئے یہ مضمون جو صفات باری تعالیٰ کا ہے اسے

حقیقت کی دنیا پر اتار کر اپنے روزمرہ کے تجارب میں داخل کر کے پھر ذکر الٰہی کریں تو یہ ذکر الٰہی ہے جو ہر دوسری چیز سے بالا اور افضل اور اکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین